میراث۔ اس کی مالیت کے مختلف اعداد و شمار بیان کئے گئے ہیں: ایک کروڑ چھہتر لاکھ، دو کروڑ، دو کروڑ باون یا ساٹھ لاکھ[1] اور پانچ کروڑ تینتیس لاکھ[2] روپے۔ میراث کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) گیارہ مکان، بصرہ کی دو حویلیاں اور بقول بعض ایک حویلی۔ کوفہ، مصر اور اسکندریہ[3] کی متعدد کوٹھیاں۔ ایک خبر ہے کہ ہر جگہ صرف ایک ایک حویلی تھی۔ مسعودی نے ۳۳۲ھ میں ان کی بصرہ والی حویلی دیکھی تھی جس سے ہوٹل کا کام لیا جاتا تھا اور جہاں سمندری تاجر نیز بالعار لوگ قیام کرتے تھے[3]

(۲) ہزار غلام جو ایک مقررہ یومیہ ٹیکس ادا کرتے تھے۔ کان للزبیر ألف مملوك تؤدي إليه الخراج[4]

(۳) ہزار گھوڑے۔

(۴) ایک پکی رہائشی حویلی جس کے کواڑ کڑیاں (ہندوستانی) ساگون کے تھے۔

كان للزبير أربعة نسوة وربع الثمن فأصاب كل امرأة ألف ألف ومئة ألف فجميع ماله خمسة وثلاثون ألف ألف ومئتا ألف ومئتا ألف۔ وفي رواية: انقسم ميراث الزبير على اربعين ألف ألف، وفي رواية أخرى: كانت قيمة ما ترك الزبير أحد أو خمسين أو اثنين وخمسين ألف ألف... وفي العقد الفريد: وجميع ماله مئة ألف ألف وسبعة ألف ألف[5]... وكان للزبير بمصر خطط وبالاسكندرية خطط وبالبصرة خطط وكانت له غلات تقدم عليه من أعراض المدينة[6] فتح الباري[7]: كان للزبير إحدى عشرة داراً بالمدينة ودارات بالبصرة[8] مسعودي: خلف ألف فرس

---

[1] ابن سعد ۳/۱۰۹-۱۱۰ سنن کبریٰ ۶/۲۸۷: دو کروڑ اکیاون لاکھ۔

[2] العقد الفرید ۳/۱۰۱ [3] مروج الذہب ۲/۳۴۲ [4] سنن کبریٰ ۸/۹

[5] ابن سعد ۳/۱۰۱ [6] ابن سعد ۳/۲۰۹-۲۱۰ [7] فتح الباری ۷/۳۵

[8] مروج الذہب ۲/۳۴۲

وألف عبد وألف أمة وخطط۔

اس عظیم دولت مندی کے مقابلہ میں زبیر بن عوام نے ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے ابتدائی ایک دو سالوں میں جو زندگی گذاری اس پر ناداری کی چھاپ لگی ہوئی تھی جیسا کہ اس رپورٹ سے ظاہر ہے، اسماء بنت ابی بکر صدیق مکہ میں سترہ مسلمانوں کے بعد اسلام لائیں، زبیر بن عوام نے ان سے شادی کرلی۔ ہجرت کے وقت ان کے پیٹ میں عبداللہ بن زبیر تھے اور جب اسماء (مدینہ کی بیرونی بستی) قبا پہنچیں تو عبداللہ کی ولادت ہوئی۔ اسماء: زبیر نے مجھ سے شادی کی تو ان کے پاس نہ روپیہ پیسہ تھا نہ اونٹ، نہ غلام، بس ایک گھوڑا تھا، میں گھوڑے کو راتب کھلاتی، چراتی اور اس کی دیکھ بھال کرتی۔ میں اس کے لئے کھجور کی نرم گٹھلیاں کوٹ کر باریک کرتی تھی گٹھلیاں زبیر کی ایک زمین سے لاتی تھی۔ پھر ابو بکر (والد) نے ایک غلام خدمت کے لئے بھیج دیا اور میری بجائے وہ گھوڑے کی دیکھ بھال اور اس کے کھانے پینے کا انتظام کرنے لگا۔

تزوجني الزبير وما له في الأرض مال ولا مملوك ولا شيء غير فرسه، فكنت أعلف فرسه وأكفيه مؤونته وأسوسه وأدق النوى الناضحة وكنت أنقل النوى من أرض الزبير حتى أرسل إلي أبو بكر بعد ذلك خادماً فكفتني سياسة الفرس[1]۔

---

[1] اصابہ ۴/۲۳۰ و ستن کبریٰ ۷/۱۹۳

ہندوستان شاہانِ مغلیہ کے عہد میں

سلاطین مغلیہ کا نظام حکومت، تعلیمی حالات، عدل و انصاف، ہندو مسلم تعلقات اور ہندوستان کی خوشحالی صنعتی و تجارتی ترقی، یورپین اقوام کی آمد ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط، دولت مغلیہ کا زوال اور اس کے حقیقی اسباب پر مفصل طور سے بحث کی گئی ہے یوں تو یہ ایک مستقل کتاب ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو "علماء ہند کا شاندار ماضی" کا مقدمہ خیال کرنا چاہئے۔ مصنفہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب

تقطیع خورد ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۲۷۲ قیمت مجلد چار روپے۔ (مکتبہ برہان دہلی ۶)

ایران میں چند روز

(۴)

سعید احمد اکبرآبادی

جس وسیع اور عظیم الشان ہال میں شہنشاہ آریہ مہر سے ملاقات ہوئی اس کے ایک گوشہ میں میزوں پر اور کچھ فرش پر قرآن مجید کے قلمی قدیم نسخے بڑی کثیر تعداد میں رکھے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں کی ملاقات سے فارغ ہونے کے بعد شہنشاہ ان نسخوں کی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک ان کا معائنہ کرتے رہے۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ یہ تمام نسخے صدیوں سے امام ثامن کے مزار پر جو دوہری چھت ہے اس کے اندر بند تھے۔ کس کے عہد میں ایسا ہوا؟ اور یہ کیوں کیا گیا تھا؟ کم از کم مجھ کو معلوم نہ ہوسکا۔ بہرحال مرمت کے لئے اب چھت کو کھولا گیا تو اس کے اندر سے یہ نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ صدیاں گزر جانے پر بھی جوں کے توں ہیں۔ اور کسی ایک نسخہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے۔ یہی سبب تھا کہ شاہ ان کو بڑی دلچسپی اور توجہ سے دیکھ رہے اور خندۂ زیرلبی سے اس پر اپنی مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ یہ وسیع ہال دارالضیافتہ یعنی مہمان خانہ کہلاتا ہے کیونکہ مہمانوں کا استقبال اسی میں ہوتا ہے۔ یہ میوزیم کے مشرقی جانب میں ہے اور اس کے تین طبقات ہیں۔

مقبرہ شیخ بہائی | روضۂ مقدسہ کے میوزیم اور صحن جدید کے درمیان ایک مقبرہ اور ہے جو شیخ بہائی کا مقبرہ کہلاتا ہے ان کا پورا نام محمد بن حسین بن عبدالصمد الحارثی ہے لیکن شیخ بہاء الدین عاملی

کے نام سے مشہور ہیں [1] بعلبک جو پہلے شام میں داخل تھا اور اب لبنان کا ایک علاقہ ہے وہاں ۹۵۳ھ مطابق ۱۵۴۷ء میں پیدا ہوئے اور اصفہان میں ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۶۲۲ء میں وفات ہوئی اور "طوس" میں جوار مشہد میں دفن ہوئے۔ شیخ بہاؤ الدین کا سلسلۂ نسب حضرت حارث ہمدانی تک پہنچتا ہے جو اپنے عہد کے بڑے متورع اور عابد و زاہد بزرگ اور امام حسین کے ساتھیوں میں تھے۔ شیخ بہاؤ الدین بھی وقت کے شیعہ علماء میں علم و فضل و شعر و ادب میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اصفہان میں شاہ عباس نے ان کو مجلس علماء کی ریاست کا منصب تفویض کیا تھا۔ صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ ایک کتاب تفسیر میں "العروۃ الوثقیٰ" کے نام سے بھی لکھی تھی۔ زرکلی (الاعلام ج ۶ ص ۳۳۴) اور آغا بزرگ الطہرانی نے (الذریعۃ الی تصانیف الشیعہ ج ۲ ص ۲۹) ان کی مصنفات کی فہرست دی ہے۔ اس کے علاوہ ایک مختصر رسالہ کے نادر مخطوطہ "الرسالۃ الصومیہ" پر ہمارے شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لائق استاد ڈاکٹر حافظ عبد العلیم خاں نے مجلۂ علوم اسلامیہ دسمبر ۱۹۶۱ء میں ایک مختصر مقالہ بھی لکھا تھا۔ لیکن ارباب علم و تحقیق کے حلقہ میں شیخ کی شہرت سب سے زیادہ فن تصوف میں ان کے دو منظوم رسالوں کی وجہ سے ہوئی جن کے نام علی الترتیب "نان و حلوا" اور "شیر و شکر" ہیں۔ یہ دونوں رسالے ایران میں طبع ہو چکے ہیں۔ اور محققین کا موضوع بحث و گفتگو رہے ہیں۔

اس مقبرہ کے دروازے نہایت اعلیٰ قسم کی لکڑی کے ہیں جس پر منبت کاری کا کام ہو رہا ہے۔ استاد حیدر گلپایگان ایران کا مشہور صناع اور آرٹسٹ ہے۔ دروازوں پر نقش آرائی اور تزئین کاری اسی کے فن کے مرہون منت ہیں۔ اب مقبرہ کے اندر داخل ہوجیے تو وہاں ایک نہایت عظیم الشان عمارت

---

[1] میں اب تک بہاء الدین کو العاملی کے بجائے الآملی سمجھتا تھا اور خیال تھا کہ آمل طبرستان کا ایک مقام ہے۔ ان کی پیدائش وہاں کی ہوگی لیکن اب جو مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط تھا اور صحیح لفظ العاملی ہے۔

نظر آئے گی۔ اس کی تمام دیواروں اور چھتوں کی تزئین وتجمیل شیشوں اور آئینوں سے کی گئی ہے اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔

مقبرہ خواجہ ربیع | شہر سے شمال مغرب میں چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک اور نہایت عالیشان اور لائق دید مقبرہ حضرت ربیع بن خثیم (ربوزن قریش) کا ہے۔ یہ مشہور تابعی ہیں۔ اسماء الرجال اور سیر کی تمام کتابوں میں ان کا تذکرہ موجود ہے ان کا شمار ان آٹھ تابعین میں ہوتا ہے جو زہد وعبادت میں سب سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے خاص لوگوں میں سے تھے۔ حافظ ابن حجر (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۲) اور حافظ ذہبی (تذکرۃ الحفاظ ج ۱) دونوں نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اکثر ربیع بن خثیم سے فرمایا کرتے تھے واللہ لو رآک رسول اللہ لاحبک یعنی بخدا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیکھ لیتے تو یقیناً تم سے محبت کرتے" سبحان اللہ! ایک انسان کا مجد و شرف اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ محبوب رب العالمین کا محبوب ہو"

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

یحییٰ بن معین سے کسی نے ان کی نسبت دریافت کیا تو فرمایا: لا یسئل عن مثلہ' ان جیسوں کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ شعبی اور ابراہیم النخعی اور منذر الثوری ان کے شاگرد ہیں اور خود انہوں نے متعدد صحابہ اور تابعین سے روایت کی ہے۔ ایک روایت مرسلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے۔ واقعہ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے طوس میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ ڈاکٹر علی شریعتی ایران کے مشہور فاضل ہیں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا انہوں نے اپنی کتاب "دلیل خراسان" (ص ۱۴۶ میں یہ کیونکر لکھ دیا کہ "حضرت ربیع بن خثیم جنگ صفین میں حضرت علی کی طرف سے ایک دستہ فوج کے جو چار ہزار ایرانیوں پر مشتمل تھا۔ کمانڈر تھے لیکن ابھی یہ فوج خراسان سے روانہ نہ ہوئی تھی کہ ربیع کا انتقال ہوگیا۔ اگر اس بیان کو صحیح مان لیا جائے تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ حضرت ربیع کا سال وفات ۳۷ھ ہے حالانکہ خود ڈاکٹر شریعتی لکھتے

ہیں کہ وفات ۱۰۶۱ھ یا ۱۰۶۳ھ میں ہوئی ہے اور یہی صحیح ہے۔ تمام ارباب سیر و تاریخ نے بھی وہی سن لکھے ہیں۔

بہر حال کانفرنس کی طرف سے ہم لوگوں کے لیے سیاحت کا جو پروگرام بنا تھا اس میں مقبرہ شامل نہ تھا۔ علاوہ ازیں کانفرنس کے جلسے، دعوتیں، اور پارٹیاں ان سب میں ہمارے اوقات اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ اپنی مرضی سے خود کسی جگہ جانا آسان نہیں تھا لیکن میں نے پہلے سے تہیہ کر رکھا تھا کہ یہاں ضرور حاضر ہوں گا۔ چنانچہ ایک روز عصر کی نماز کے بعد موقع ملا تو میں تن تنہا کار میں بیٹھ اور گائڈ کو ساتھ میں لے روانہ ہو گیا۔ مقبرہ پر پہنچا تو جی باغ باغ ہو گیا۔ بڑا پر کیف سماں تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ جھٹ پٹے کا وقت تھا۔ مقبرہ ایک جنگل میں ہے۔ چاروں طرف کھلے ہوئے مناظر۔ سبزۂ رواں، سرو وزاں، تختہائے لالہ و گل، ادھر ادھر اونچے نیچے ٹیلے۔ درختوں کے جھنڈ، کہیں کہیں کنج باغ۔ اور کہیں دامان راغ۔ سبحان اللہ! کیا منظر تھا۔ اب تک اس کی یاد دل سے محو نہیں ہوئی۔ میں فطرت کی ان عطا بخشیوں میں اس طرح گم ہوا کہ کچھ دیر تک مقبرہ سے باہر ہی کھڑا ہوا ان سے لطف اٹھاتا رہا۔ یہاں اس وقت بھی مردوں عورتوں اور بچوں کا ہجوم تھا۔ بیسیوں کاریں کھڑی ہوئی تھیں اور نوعمر لڑکے اور لڑکیاں ادھر ادھر چہلیں کرتے پھر رہے تھے کیونکہ یہ مقام جس طرح ایک عظیم زیارت گاہ ہے ایک بڑی تفریح گاہ بھی ہے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد جب فضا کی لطافتیں تنفس کی راہ سے جسم و جاں میں پیوست ہو گئیں تو میں مقبرہ کے اندر داخل ہوا یہاں بھی مردوں اور عورتوں کا خاصا ہجوم تھا اور ان میں کوئی قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ کوئی دست بدعا تھا۔ کچھ لوگ فاتحہ خوانی میں مشغول تھے۔ اور بعضوں پر گریہ وزاری کا عالم طاری تھا۔ میں نے پہلے فاتحہ پڑھی اور پھر وہیں مراقبہ میں بیٹھ گیا۔ اس وقت جو انجلاء روحانی کی کیفیت محسوس ہوئی وہ محسوس تو کی جا سکتی ہے مگر بیان نہیں کی جا سکتی۔ مراقبہ اتنا طویل ہوا کہ مغرب کی نماز کا وقت بھی قضا ہو گیا۔ کہتے ہیں یہ عظیم الشان مقبرہ شیخ بہاء الدین العاملی کی فرمائش پر شاہ عباس نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے

بعد اس میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہا۔ پوری تعمیر ہشت پہلو ہے اور دیواروں اور چھت پر جو نقش و نگار ہیں وہ ایران کے فن تعمیر و تزئین کا بہترین نمونہ ہیں پورا فرش نہایت اعلیٰ قسم کے دبیز قالینوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ فن کے لحاظ سے اس مقبرہ میں اور آگرہ کے تاج محل میں بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ مقبرہ سے متصل ایک نہایت وسیع باغ بھی ہے جس کی ہوا عام طور پر بڑی صحت بخش سمجھی جاتی ہے لیکن یہاں جس چیز سے مجھ کو سخت تکلیف اور روحانی اذیت ہوئی وہ یہ تھی کہ جب میں مقبرہ سے باہر آکر ادھر ادھر گھوما تو میں نے دیکھا کہ مقبرہ کے چاروں سمت سیکڑوں قبریں ہیں جو ہم سطح زمین ہیں اور ان قبروں کی جو الواح ہیں ان پر میت کے نام کے ساتھ قرآن مجید کی کوئی آیت، کوئی حدیث یا کسی بزرگ کا کوئی مقولہ بھی کندہ ہے۔ چونکہ یہ زمین سے ہم سطح ہیں، اس لئے چلنے والے مع اپنے جوتوں کے ان پر سے گزرتے ہیں اور ذرا نہیں جھجکتے۔ یہی چیز میں نے قم میں دیکھی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اور صدمہ ہوا۔ سب سے پہلے اس طرح کی لغویت میں نے لندن میں دیکھی تھی جہاں ویسٹ منسٹر میں انگلستان کے نامور اشخاص و افراد کی قبریں ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ایران کی نفاست طبع اور لطافت ذوق اس کو کیونکر گوارا کئے ہوئے ہے۔

نادر شاہ کا مقبرہ (نادر شاہ (از ۱۷۳۶ تا ۱۷۴۰) ہمارے ہاں چنگیز، ہلاکو اور ہنی بال کی طرح ظلم و ستم اور سفاکی و بے رحمی میں ضرب المثل ہے اور شامت اعمال بصورت نادر گرفت، ایک عام کہاوت ہے۔ لیکن یہی شخص ایران کا قومی ہیرو ہے۔ چنانچہ ایرانیوں میں عام طور پر اس کو مشرق کا نیپولین کہا جاتا ہے۔۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً سلطان محمود غزنوی کے دور حکومت میں اور پھر دولت صفویہ کے ختم ہو جانے کے بعد افاغنہ کے عہد میں ایران کو جو نقصان عظیم پہنچا تھا۔ نادر شاہ نے خراسان سے نمودار ہو کر ایک طرف اصفہان کو افغانیوں سے فتح کیا اور دوسری جانب دولت عثمانی کو شکست دی اور اپنے آپ کو ایران کا بادشاہ قرار دے کر صحرائے مغان میں بیعت لی۔ بادشاہت کا اعلان کرنے کے بعد خوارزم، قفقاز اور ماوراء النہر میں جو بغاوتیں ہو رہی تھیں ان کا قلع قمع کر کے قندہار میں فروکش ہوا۔ پھر ہندوستان میں بعہد محمد شاہ اس نے جو کچھ کیا وہ سب کو معلوم ہی ہے ۔۔